اختر راہی

سیّد ناصر الدین ابو المنصور دہلوی

اور

مسیحی۔ مسلم مناظراتی ادب

بعض معاصر تجزیہ نگاروں کی رائے میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے متعدّد اسباب میں سے ایک سبب عیسائی پادریوں کی جارحانہ تبلیغ تھی۔[1] مگر عیسائی مبلغین اور منادِ اس کے برعکس یہ رائے رکھتے تھے کہ اگر ایسٹ انڈیا کمپنی نے مشنری سرگرمیوں میں رکاوٹ نہ ڈالی ہوتی اور اُس نے صدقِ دل سے عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کی ہوتی تو ۱۸۵۷ء کا سانحہ کبھی وقوع پذیر نہ ہوتا۔[2] بہرحال جنگ آزادی کی ناکامی اور برائے نام مسلم اقتدار کے خاتمے سے پورے ملک اور بالخصوص شمالی ہند میں عیسائی اشاعتی و تبلیغی سرگرمیوں میں مزید تیزی آ گئی۔ انیسویں صدی کے آخری چالیس بیالیس برسوں میں جن مسیحی اہلِ قلم نے ایک طرف پوری قوت سے عیسائیت کا پیغام پیش کیا اور دوسری طرف مقامی مذاہب اور بالخصوص اسلام کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا، اُن میں ڈپٹی عبداللہ آتھم، ڈپٹی صفدر علی، پادری عماد الدین، پادری رجب علی، پادری رام چندر اور پادری ٹھاکر داس جیسے لوگ نمایاں تھے۔

ان حضرات نے مشنری اداروں میں تعلیم حاصل کی اور آبائی مذاہب ترک کیا تھا۔ ان میں سے بعض ذریعۂ معاش کے حوالے سے سرکاری محکموں سے وابستہ تھے مگر ان کی سرگرمیاں ایک مذہبی رہنما سے کسی صورت کم نہ تھیں۔ ڈپٹی، عبداللہ آتھم اور صفدر علی کے ناموں کا جزو تھا جو اُن کی سرکاری حیثیت کو ظاہر کرتا ہے۔ عبداللہ آتھم نے جواہر القرآن، نکاتِ احمدیہ، زینہ فطرت اور ہوائے زمانہ وغیرہ کے نام سے متعدد کتابچے لکھے اور ۱۸۹۳ء میں مرزا غلام احمد قادیانی سے امرتسر میں مناظرہ کیا جس کے بعد مرزا قادیانی کی طرف سے عبداللہ آتھم کے انجام کی "پیش گوئیاں" کی جانے لگیں جن سے دونوں کو خوب شہرت حاصل ہوئی۔

صفدر علی کے عزیز و اقارب اُس کے بچپن میں فوت ہو گئے تھے، انھوں نے آگرہ کالج میں تعلیم حاصل کی تھی اور تعلیم سے فراغت کے بعد وہیں فارسی کے مدرّس ہو گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد پنجاب کے سررشتۂ تعلیم سے وابستہ ہوئے اور ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر ترقی پائی۔ بعد ازاں جبل پور منتقل ہو گئے۔ وہیں ۱۸۶۵ء میں عیسائیت قبول کی اور اپنی تبدیلیٔ مذہب کے حوالے سے ایک کتاب "نیاز نامہ" تالیف کی۔ بظاہر اپنی خود نوشت لکھی مگر حقیقتاً اس میں اسلام اور نبی اکرم ﷺ کے

بارے میں وہ تمام اعتراضات گنائے جو عیسائی اہل قلم وقتاً فوقتاً اٹھاتے رہتے تھے۔

پادری عماد الدین، پانی پت کے ایک معروف گھرانے میں ۱۸۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے برادر اکبر مولوی کریم الدین پانی پتی (۱۸۲۱ء - ۱۸۷۹ء) اپنے وقت کے معروف صاحبِ علم تھے۔ مولوی کریم الدین نے اپنے دادا اور والد گرامی کے بارے میں لکھا ہے کہ [۳]

"جد بزرگوار پیلی بھیت کی پیدائش رکھتے تھے۔ انہوں نے اکثر بلاد کی سیاحی کی۔ پانی پت میں آکر مقیم ہوئے۔ چوں کہ بادشاہی جاگیر کی آمدنی رکھتے تھے، وجہ معیشت سے بے فکر تھے۔ ملکوں کی سیاحی کرتے تھے۔ جب میرے قبلہ گاہ سراج الدین پانی پت میں پیدا ہوئے، انہوں نے بھی اقامت پانی پت میں اختیار کی۔ نادر شاہ کے وقت میں ہمارا بہت اسباب اور مال لُٹ کر برباد ہوگیا تھا۔ اس وقت سے پھر اسلوب گھر کا درست نہ ہوا---"

مولوی کریم الدین نے "دہلی کالج" سے تحصیلِ علم کے بعد آگرہ کالج سے بطور مدرّس وابستگی اختیار کی تھی، وہیں اُن کی نگرانی میں عماد الدین نے تعلیم حاصل کی۔ جب مولوی کریم الدین ۱۸۵۷ء کے بعد پنجاب آکر محکمہ تعلیم سے وابستہ ہوئے تو ان کے ساتھ عماد الدین بھی لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔ یہیں اُنہیں میکن ٹاش ہیڈ ماسٹر نارمل اسکول لاہور کی صحبت میسر آئی جن سے عماد الدین نے باقاعدہ بائبل کا مطالعہ کیا۔ اسی عرصے میں صفدر علی نے جو قیام آگرہ کے زمانے میں اُن کے دوست تھے، عیسائیت قبول کی۔ اس کے کچھ عرصے بعد ۲۹ اپریل ۱۸۶۶ء کو عماد الدین نے پادری ہنری رابرٹ کلارک [۴] کے ہاتھ پر امرتسر میں بپتسمہ لیا اور مسیحی جماعت میں شامل ہو گئے۔

پادری عماد الدین، رابرٹ کلارک سے بڑے متاثر تھے اور مؤخر الذکر سے اُنہوں نے بہت کچھ حاصل کیا تھا، پادری اے۔ ٹھاکر داس کے الفاظ میں [۵]

"جستجو اور تحقیق کے سچے مذاق کے باعث دونوں میں باہمی ربط و ضبط بڑھ گیا۔ گھنٹوں بیٹھ کر آپس میں گفتگو کیا کرتے۔ اعتقادی مسائل اور مذہبی تحقیق و تدقیق کے غور و خوص میں لگے رہتے۔ اُن کی باہمی صحبت مشرقیّت اور مغربیّت کے صحیح امتزاج کی خوبی اور سود مندی کا ایک ثبوت ہے۔ پادری رابرٹ کلارک صاحب مغربی علماء کے خیالات اُن کے سامنے پیش کیا کرتے جن کو عماد الدین مشرقی رنگ میں سپردِ قلم کیا کرتے تھے۔ اور اس طریقہ پر رفتہ رفتہ وہ تصانیف وجود میں آئیں جن کے سبب عماد الدین شہرہ آفاق ہو گئے۔"

پادری عماد الدین قبولِ عیسائیت کے بعد تقریباً دو سال سرکاری ملازمت کرتے رہے مگر اس کے بعد اُنہوں نے "مبشّر و مناد" کی حیثیت سے زندگی گزارنے کو ترجیح دی اور ۳۴ سال یہ فریضہ انجام دیتے رہے۔ اُن کی مذہبی خدمات کے پیش نظر اُنہیں "ڈاکٹر آف ڈیونٹی" کی اعزازی سند سے نوازا گیا۔ اُن سے کم و بیش ۵۳ رسائل اور کتب یادگار ہیں۔ جن میں سے کتابِ مقدّس کے اجزاء - انجیل

متی، انجیل یوحنا، اعمال اور مکاشفات -- کی تفسیریں اور "حقیقی عرفان" اور "پندرہ لیکچر" عیسائیت کی تفہیم و تشریح کے لیے اہم ہیں۔ ہدایت المسلمین، تحقیق الایمان، ترجمۂ قرآن اور تنقید القرآن وغیرہ کتابیں تردید اسلام سے اُن کی دلچسپی کی مظہر ہیں۔ مستقل بالذات کتابوں کے ساتھ پادری عماد الدین نے بیسیوں مضامین لکھے جو مسیحی جرائد اور بالخصوص اُن کی اپنی ادارت میں چھپنے والے جرائد میں شائع ہوئے۔ ماہنامہ "حقائق عرفان" نے اُن کی ادارت میں جنوری ۱۸۶۸ء میں امرتسر سے اشاعت کا آغاز کیا اور کئی سال باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ ۹ اگست ۱۹۰۰ء کو بھرپور زندگی گزارنے کے بعد پادری صاحب امرتسر میں فوت ہوئے۔

پادری عماد الدین کے معاصر مسیحی اہل قلم نے اُن کی خدمات کی بڑی تعریف کی ہے۔ پادری ایل۔ بی۔ جونز نے ایک موقع پر ڈپٹی صفدر علی سے اُن کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا کہ [۶] "یہ عمادالدین کے پایہ کا مناظر نہیں تھا۔ اُس کا حملہ عمادالدین کا سا تیز نہیں ہوتا۔" اِسی طرح فرانسیسی مستشرق اور تذکرہ نگار گارساں دتاسی نے اپنے "مقالات" میں لکھا کہ [۷]

> "مولوی عمادالدین پہلے مذہبِ اسلام کے عماد تھے اور اب مسیحی مذہب کے عماد ہیں۔ وہ اپنی تحریر اور تقریر سے مسیحی مذہب کی ہندوستان میں بڑی خدمت کر رہے ہیں۔"

پادری عماد الدین کے دوسرے افراد خاندان میں اُن کے والد نے بھی عیسائیت قبول کرلی تھی تاہم دوبارہ حلقۂ اسلام میں واپس آگئے تھے۔ اسی طرح اُن کے ایک بھائی منشی خیر الدین نے بھی عیسائیت اختیار کی اور "انفصالِ خیر" (تالیف: ۱۸۶۸ء) کے نام سے ایک کتابچہ لکھا جس میں اپنے قبولِ عیسائیت کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے اسلامی تعلیمات کا تمسخر اڑایا مگر جلد ہی اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے عیسائیت ترک کردی۔

عبداللہ آتھم اور عماد الدین کی طرح رجب علی نے ایک مسلمان خانوادے میں آنکھیں کھولی تھیں۔ اُن کا نسبی تعلق ملا مبارک کے خاندان سے بتایا جاتا ہے جن کے فرزندان — ابوالفیض فیضی اور ابوالفضل نے اکبر کے دربار میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ حصولِ تعلیم کے بعد حلقۂ عیسائیت میں داخل ہوئے اور میتھوڈسٹ طبقے سے منسلک رہے۔ اردو زبان و ادب پر کامل عبور رکھتے تھے۔ اسی سبب سے مسیحی صحافت میں نمایاں رہے۔ اُنھوں نے شمس الاخبار (۱۸۶۹ء)، کوکبِ عیسوی (۱۸۶۹ء)، وکیل ہندوستان (جنوری ۱۸۷۴ء)، ہندو پرکاش (۱۸۷۴ء)، سفیر ہند (جنوری ۱۸۷۸ء) اور پنجاب ریویو (۱۸۸۷ء) کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ منشی محمد دین فوق کے الفاظ میں [۸]

> "عیسائیوں میں وہ پہلے شخص تھے جن کو اُردو کی لٹریری پبلک میں اس قدر رسوخ اور وقار حاصل تھا کہ ہندوستان میں بہت کم لوگ اُن کی برابری کرسکتے تھے۔ ہندوستانی مسیحیوں میں اُردو کا مذاق بہت کم ہے بلکہ بالکل نہیں ہے۔"

پادری رجب علی نے اسلام کے حوالے سے شریف نسبتیں (اشاعت: ۱۸۶۷ء)، رسالہ الٰہی

براہین (اشاعت : ۱۸۶۹ء) اور آئینۂ اسلام (اشاعت : ۱۸۷۰ء) تالیف کیں اور ان میں ذوقِ زمانہ کے مطابق مناظرانہ انداز سے اسلامی تعلیمات پر اعتراضات وارد کیے۔

پادری رجب علی اپنی ادبی شہرت اور مسیحی خدمات کے باوجود مالی طور پر زیادہ خوش حال نہیں رہے اور بالخصوص اپنی زندگی کے آخر میں اُن کی مالی حالت اِس قدر خراب ہو گئی تھی کہ اُن کا مال و اسباب نیلام کرنا پڑا۔

متذکرہ الصدر سابق مسلم نو مسیحی مبلغوں کو سابق ہندو نو مسیحی رام چندر سے مدد ملی۔ رام چندر دہلی کے ایک کائستھ خاندان میں ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوئے تھے۔ بارہ برس کی عمر میں ایک انگریزی مدرسے میں داخل ہوئے، بعد میں تکمیل تعلیم کے لیے دہلی کالج میں داخلہ لیا۔ تین سال بعد اسی کالج میں سائنس کے "ماسٹر" ہو گئے۔ ۱۸۵۴ء میں آبائی مذہب ترک کر کے بپتسمہ لیا۔ مولوی عبدالرزاق کانپوری (م ۱۹۴۸ء) کی اطلاع کے مطابق [9] "ماسٹر صاحب کے عیسائی ہوجانے سے کالج کو بہت نقصان پہنچا۔[10] قدیم خیال کے ہندوؤں اور مسلمانوں کا یہ مقولہ تھا کہ انگریزوں نے کرسٹان --- کرنے کے لیے کالج قائم کیا ہے۔" ماسٹر رام چندر، ماسٹر سے ریورنڈ رام چندر بن گئے اور عیسائیت کی تبلیغ کے حوالے سے اُنھوں نے اپنے سابق مذہب ہندومت کے خلاف لکھنے کی جگہ اسلام کی تردید و تنقیص کو اہمیت دی۔ اُن کی تالیفات میں اعجاز القرآن، مسیح الدجال، اور تحریفِ قرآن شامل ہیں۔ پادری رام چندر ۱۸۸۰ء میں راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔

پادری رام چندر کی طرح پادری جی۔ ایل۔ ٹھاکر داس عیسائیت کو ہندومت سے حاصل ہوئے تھے۔ وہ لکھنؤ کے ایک برہمن دیوی بھجن کے گھر پیدا ہوئے جو برطانوی دیسی فوج میں ملازم تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے فرائض کی ادائیگی میں کام آ گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے تین سال بعد جو قحط پڑا، اس نے پورے خاندان کو پریشان کر دیا۔ زندگی کی تلاش میں اُن کی والدہ بچوں کے ساتھ لکھنؤ سے چلتے چلتے سیالکوٹ آ گئیں، جہاں اُن کے بچوں کو مشن سکول کے یتیم خانے میں داخل کرلیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ماں بیٹا دونوں نے بپتسمہ لے لیا۔ جی۔ ایل۔ ٹھاکر داس نے بعد میں کلکتہ یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور پادری جی۔ پی۔ میکی سے عیسائی دینیات کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۷۷ء میں پادری ہو گئے۔ پادری جی۔ ایل ٹھاکر داس نے پنجاب میں پسرور، سیالکوٹ اور گوجرانوالہ میں دینی فرائض انجام دیے۔ گوجرانوالہ کے کئی اچھوت خاندان اُن کی محنت سے حلقۂ عیسائیت میں شامل ہو گئے تھے جو اس شہر کی عیسائی آبادی کا ایک اہم حصہ رہے ہیں۔

پادری جی۔ ایل ٹھاکر داس طویل عرصے تک یونائیٹڈ پریسباٹرین مشن سے وابستہ رہے۔ بعد میں ریفارمڈ پریسباٹرین مشن سے منسلک ہو گئے۔ فیروز پور میں مقیم تھے کہ "نور افشاں" (لدھیانہ) کی ادارت کے لیے لدھیانہ چلے گئے۔ وہاں چند سال اخبار نویسی کی خدمت انجام دی۔ ۱۹۰۴ء میں لاہور آئے اور یہاں آ کر تحصیل شرق پور میں کام کرتے رہے۔ ۲۱ جنوری ۱۹۱۰ء کو فوت ہوئے۔

پادری جی۔ ایل ٹھاکر داس سے متعدّد مضامین کے ساتھ ۳۶ کتابیں یادگار ہیں۔ ان میں اظہار عیسوی، حکمت الہام، عدم ضرورت قرآن، سیرتُ المسیح والمحمد، انجیل یا قرآن اور بیّنات مسلم - مسیحی مناظراتی ادب کے حوالے سے اہم ہیں۔

نو مسیحی مشنری اپنے ساتھی غیر ملکی مشنریوں کی نسبت اپنے آپ کو اسلام کی تردید میں زیادہ باصلاحیت خیال کرتے تھے۔ اُن کا کہنا یہ تھا کہ وہ نہ صرف اسلام کے بنیادی ماخذوں — قرآن وحدیث — پر نگاہ رکھتے ہیں بلکہ انھوں نے مسلم معاشرے کو اندر سے دیکھا ہے۔ یہی سبب تھا کہ مقامی نو مسیحی اہلِ قلم اسلام پر حملے کرنے میں زیادہ غیر محتاط تھے۔ مثال کے طور پر پادری عماد الدین کو جہاں کچھ لوگوں نے "عیسائیت کا عماد (ستون)" قرار دیا، وہیں اُن کی تحریروں سے اُن کے ہم مذہب بھی شاکی رہے۔ " پادری کریون نے اُن کی تالیف "ہدایت المسلمین" پر تبصرہ کرتے ہوئے جہاں اور بہت کچھ لکھا وہیں یہ بھی کہا کہ "اگر ۱۸۵۷ء کے بعد پھر غدر ہوا تو اسی شخص عمادالدین کی بدعنوانیوں اور بے ہودہ گوییوں سے ہوگا---"

گارساں دتاسی نے پادری عمادالدین کی ایک تالیف "تحقیق الایمان" کی طباعت کے بارے میں اطلاع دی ہے کہ [۱۲]

> "اردو کے سب مطابع اس کو چھاپنے سے انکار کر رہے ہیں۔ کاغذ فروخت کرنے والے تاجر تک اس کتاب کے لیے کاغذ دینے پر آمادہ نہیں۔ مسٹر الگزینڈر کے اثر کی وجہ سے ایک ہندو جو مالک مطبع ہے۔ اس کتاب کی طباعت کے لیے تیار ہوگیا لیکن اس کو یہ دشواری پیش آرہی ہے کہ مسلمان خوش نویس اسے لکھنے سے انکار کر رہے ہیں۔ ہندوؤں میں خوش نویس ہیں نہیں جن سے لیتھو کی چھپائی کے لیے لکھایا جائے۔ بالآخر یہ کتاب مطبع آفتاب پنجاب میں چھپ گئی ہے۔ اس مطبع کا مالک ایک ہندو شخص ہے۔ عملی دشواریوں کے باعث اس کی طباعت ٹائپ میں ہوئی ہے۔"

مولانا ابوالمنصور دہلوی

مذکورہ بالا نو مسیحی پادریوں کے جواب میں جن علمائے کرام نے قلم اٹھایا، اُن میں مولانا سیّد ناصر الدین ابوالمنصور دہلوی کا نام بہت نمایاں ہے۔

مولانا سیّد ناصر الدین کا اصل وطن قصبہ سید آباد عرف ورائی پور (مضاف قنوج) تھا مگر اُن کے والد سیدّ محمد علی ناگپور ریذیڈنسی میں میر منشی تھے۔ وہیں ۱۸۲۳ء میں مولانا ناصر الدین پیدا ہوئے۔ مروّجہ علوم کی تحصیل اپنے والد اور دادا سے کی۔ حصولِ علم کے بعد کچھ عرصہ نواب جہانگیر خان رئیس بھوپال کی مصاحبت میں رہے۔ اس کے علاوہ عمر بھر کوئی ملازمت نہ کی اور ہمہ تن تصنیف و تالیف اور تبلیغِ اسلام میں مصروف رہے۔ زندگی کا ایک حصہ اُنھوں نے دہلی میں گزارا اور اسی باعث "دہلوی" کی صفتِ نسبتی سے معروف ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں دہلی میں فوت ہوئے۔

مولانا ابوالمنصور کی دلچسپیوں میں جہاں عیسائی اہل قلم کے جواب میں تحریر و تالیف شامل تھی، وہیں سرسید احمد خان کے مذہبی خیالات کی تردید میں پیش پیش تھے۔ اُنہوں نے نہ صرف سرسید احمد خان کے "تہذیب الاخلاق" کے جواب میں "شلاق" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا تھا بلکہ سرسید احمد خان کی مخالفت میں ۱۸۸۸ء میں جب علمائے لدھیانہ نے فتویٰ "نصرۃ الابرار" جاری کیا تو اس پر مولانا ابوالمنصور کے دستخط بھی موجود تھے۔[۱۳] تفسیر احمدی کے جواب میں مولانا ابوالمنصور کے قلم سے "تنقیح البیان" شائع ہوئی ہے۔

مطالعۂ عیسائیت

مولانا ابوالمنصور دہلوی سے مطالعۂ عیسائیت کے حوالے سے حسب ذیل کتب یادگار ہیں۔

۱۔ نوید جاوید — اسلام پر اُن اعتراضات کا جواب ہے جو ازروئے عقل کیے جاتے ہیں۔

۲۔ عقوبتہ الضالین — پادری عماد الدین کی کتاب "ہدایت المسلمین" کا جواب ہے جو مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی "اعجاز عیسوی" کی تردید میں تالیف کی گئی تھی۔

۳۔ لحن داودی — پادری عماد الدین اور مجتہد لکھنوی کے درمیان تحریری مناظرہ ہوا جسے پادری عماد الدین نے "نغمۂ طنبوری" کے نام سے مرتب کیا۔ مجتہد لکھنوی اور مولانا ابوالمنصور نے "نغمۂ طنبوری" کا جواب "لحنِ داودی" تحریر کیا۔

۴۔ تصحیح التاویل — پادری عماد الدین کی تفسیر "مکاشفات" پر تنقید و تبصرہ ہے۔ مولانا ابوالمنصور کی تحقیق کے مطابق پادری صاحب کی تفسیر ایلیٹ کی تفسیر پر مبنی ہے۔ مکاشفات کے نویں باب کے حوالے سے مفسرینِ انجیل نے نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ مولانا ابوالمنصور کا مقصد ان اعتراضات کا جواب اور "مکاشفات" کی مبنی بر عقل و نقل تفسیر لکھنا ہے۔

۵۔ استیصال — پادری رام چندر کے رسالہ "مسیح الدجال" پر محاکمہ ہے۔ پادری رام چندر نے "دجال" کی دلآزار تشریح کی ہوئے نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو نشانہ بنایا تھا۔

۶۔ اعزاز قرآن — پادری رام چندر کے ایک دوسرے رسالہ "اعجاز قرآن" پر تنقید و تبصرہ ہے۔ پادری صاحب نے قرآن میں بیان شدہ معجزات پر اعتراضات وارد کیے تھے۔

۷۔ انعام عام — پادری رجب علی نے امریکی مشن لکھنؤ کے پادری سیموئل جونس کے تعاون سے ایک کتاب "آئینۂ اسلام" مرتب کی تھی۔ "انعام عام" پر معاصر اخبار "پنجابی" نے حسب ذیل تبصرہ کیا تھا جس سے "آئینۂ اسلام" اور انعام عام" ہر دو کے موضوع پر روشنی پڑتی ہے۔[۱۴]

> "[آئینۂ اسلام میں] ان مشنریوں نے مسلمانوں میں ۲۵۰ فرقے کیے ہیں اور لکھا ہے کہ شروع اسلام ہی سے یہ حال تھا اور اُن کا دعویٰ ہے کہ عیسائی فرقوں کا یہ حال نہیں۔ مصنف نے ان اعتراضات کا جامع اور فیصلہ کن جواب دیا ہے۔ مشنریوں نے غلط طور پر بیان

کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان فرقوں میں سے آٹھ خدا کو نہیں مانتے، ۱۴ رسول کو نہیں مانتے اور اسی طرح ۳۷ حلقہ اسلام سے بالکل خارج ہیں۔

مولوی صاحب نے جواب میں اپنے دلائل میں یہ ثابت کیا ہے کہ عیسائیوں میں ۸۸ فرقے موجود ہیں جن میں آٹھ روح القدس کو نہیں مانتے۔ ۲۵ حضرت عیسیٰ کی الوہیّت کے قائل نہیں۔ آٹھ مسلمانوں کی طرح حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے کے قائل نہیں۔ ۱۶ عہد نامۂ قدیم و جدید کے آسمانی کتاب ہونے پر ایمان نہیں رکھتے اور باقی ۶۵ فرقے ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ مصنّف نے ان کتابوں کے حوالے دیے ہیں، جن کا مستند ہونا مسلّم ہے۔ مصنّف نے جو محنت برداشت کی ہے، اس کی تحسین ہمارا فرض ہے کیوں کہ اس کتاب کے لیے انھوں نے مختلف زبانوں کی کتابوں سے حوالے جمع کیے ہیں۔ برخلاف اس کے "آئینۂ اسلام" میں جن کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں، صفحات و سطور کی تشریح نہیں کی گئی لیکن ابوالمنصور کی تصنیف میں صفحات، سطور اور جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے، اس کی اشاعت اور مقام کی بھی تشریح کی گئی ہے۔ جس سے کتاب کی وقعت کا اندازہ ہوتا ہے۔"

۸۔ افحام الخصام — پادری راجرز کی تالیف "تفتیش الاسلام" پر تعقیب اور محاکمہ ہے۔

۹۔ میزان المیزان — پادری فانڈر (م ۱۸۶۵ء) کی تالیف "میزان الحق" پادریوں کے خلاف اسلام لٹریچر میں سرفہرست ہے۔ پادری فانڈر کے معاصر علماء میں سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے "اظہار الحق" کے نام سے اس کا جواب تحریر کیا اور عیسائیت کے عقائد، اعمال، تاریخ اور اختلافات کو تفصیل سے بیان کیا مگر بعد کے علماء نے بھی اپنے دور کی ضرورتوں کے مطابق "میزان الحق" کے جواب لکھے ہیں۔ مولانا ابوالمنصور نے اپنی تحریر کا نام "میزان المیزان" رکھا۔

۱۰۔ مصباح الابرار — پادری فانڈر ہی کی ایک دوسری تالیف "مفتاح الاسرار" ہے۔ جس میں الوہیت عیسیٰ علیہ السلام اور تثلیث کے اثبات میں گفتگو کی گئی ہے۔ اس کی تردید میں فانڈر کے معاصر مولانا محمد ہادی لکھنوی نے "کشف الاستار" (مطبوعہ: ۱۸۴۷ء) کے نام سے کتاب لکھی۔ مولانا ابوالمنصور کا محاکمہ اس سے الگ ہے اور "مصباح الابرار" کے نام سے شائع ہوا۔

۱۱۔ رقیمتہ الوداد — پادری صفدر علی کے "نیاز نامہ" پر تنقید و تبصرہ ہے۔ پادری صاحب نے ۱۸۶۹ء میں اشتہار لکھا کہ اُن کی یہ کتاب ابطال اسلام اور حقانیّت مذہب عیسوی بہت عرصے سے طبع ہوئی ہے مگر کوئی مسلمان عالم اس کا جواب نہیں لکھ سکا۔ اس اشتہار کے جواب میں "رقیمتہ الوداد" وجود میں آئی۔

۱۲۔ حرزِ جان — پادری عبداللہ آتھم نے رسالہ "اصلیتِ قرآن" کا جواب ہے۔

۱۳۔ تبیان — پادری صاحبان کے بارہ سوالوں کا جواب ہے۔

۱۴۔ احسن الدلیل فی معلومات توریت والانجیل

۱۵- گلدستۂ شاداب — قدیم متبرک مسیحی مقامات کی مفصل تاریخ ہے
۱۶- دولت فاروقی — بیت المقدس اور انبیائے کرام کی تاریخ پر مشتمل ہے۔
۱۷- یادداشت — واعظین کے لیے بطور دستور العمل یہ "یادداشت" مرتّب کی گئی۔
۱۸- محاکمہ ما بین عقوبتہ الضالین وہدایتہ المسلمین — پادری عمادالدین کی تالیف اور اس کے جواب میں اپنی تحریر کے درمیان محاکمہ ہے۔
۱۹- نمونۂ تحریف
۲۰- تشویش القسیس
۲۱- تادیب
۲۲- مجموعۂ وعظ
۲۳- رسالہ الحق مر
۲۴- تنزیہہ کاملین
۲۵- تریاق

مطالعہ عیسائیت کے حوالے سے مذکورہ بالا کتب کے علاوہ مولانا ابوالمنصور دہلوی سے فارسی زبان میں قرآن مجید کی نامکمل تفسیر "تبجیل التنزیل" یادگار ہے۔ اس تفسیر میں مولانا نے احادیث صحیحہ کی روشنی میں آیات قرآنی کی تشریح و توضیح کی ہے اور جگہ جگہ تورات اور انجیل سے تائیدی استشہاد کیا ہے۔ افسوس کہ اُن کا یہ کام مکمل نہ ہو سکا۔ تفسیر کے حوالے سے اُن کی دوسری تحریر "تنقیح البیان" ہے جو سر سیّد احمد خان کی تفسیر پر محاکمہ و تنقید ہے۔

مولانا ابوالمنصور دہلوی کی اولاد

مولانا ابوالمنصور دہلوی کی اولاد میں دو صاحبزادے تھے۔ اُن کے ایک صاحبزادے میر ناصر علی مدیر "صلائے عام" (دہلی) ادبی دُنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اُن کی زندگی کا بڑا حصہ اردو ادب و صحافت کی خدمت میں گزرا اور ۱۹۳۳ء میں فوت ہوئے۔[۱۵]

مولانا ابوالمنصور کے دوسرے صاحبزادے سیّد نصرت علی قیصر تھے۔ وہ فروری ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوا۔ معاصر علمائے دہلی سے استفادہ کیا اور مولانا ابوالمنصور کی روایت مطالعہ عیسائیت کو آگے بڑھایا۔ نصرۃ المطابع (دہلی) کے نام سے مطبع قائم کیا اور دہٗ روزہ "ناصر الاسلام" جاری کیا جس میں عمومی خبروں کے ساتھ مسیحی اخبارات کے مضامین کے جواب شائع ہوتے تھے۔ مولانا ابوالمنصور کی جو تحریریں اُن کی زندگی میں منصۂ شہود پر نہ آسکی تھیں اس پرچے میں شائع ہوتی رہیں۔

"ناصر الاسلام" کی ادارت کے ساتھ مولانا سیّد نصرت علی قیصر نے کم و بیش چھوٹی بڑی ایک سو کتابیں تالیف کیں۔ ان میں سے مسلم — مسیحی مناظراتی ادب کے حوالے سے مندرجہ ذیل اہم ہیں۔

*تخطیہ — عبداللہ آتھم کے افکار کی تردید یہ مقصود ہے۔
*ضیاء النورین بجواب رسالہ سیرت المسیح والمحمد – پادری ٹھاکر داس کی معروف تالیف کا جواب ہے۔

سیّد نصرت علی قیصر اچھا شعری ذوق رکھتے تھے اور مولانا ابوالمنصور دہلوی کی بعض کتابوں کے قطعات تاریخ انہوں نے کہے ہیں۔ تذکرہ روزِ روشن کے مؤلف مولوی مظفر حسین نے اس "صاحبِ طبع سلیم و ذہن مستقیم و عالم باعمل" کے فارسی اشعار کا نمونہ درج کیا ہے۔[16] سیّد نصرت علی ۱۹۳۲ء میں فوت ہوئے۔

حواشی

۱۔ سر سید احمد خان، اسباب بغاوت ہند، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ (۱۹۵۷ء)، ص ۱۱۹ - ۱۳۳

۲۔ پادری فانڈر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ "خدا نے یہ ہولناک دن برطانوی گورنمنٹ پر اس لیے بھیجے ہیں کیوں کہ وہ ہندوستان میں بُت پرستی کی معاون اور مسیحیت کی مددگار ہونے سے خائف رہی ہے۔" [پادری برکت اللہ، صلیب کے علمبردار، لاہور: پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی (۱۹۵۷ء)، ص ۲۵]

۳۔ کریم الدین پانی پتی، طبقات الشعرائے ہند، دہلی: مطبع العلوم (۱۸۴۸ء)، ص ۴۷۰

۴۔ پادری رابرٹ کلارک (۱۸۲۵ء — ۱۹۰۰ء) چرچ مشنری سوسائٹی سے وابستہ تھے اور پنجاب کے ابتدائی مشنریوں میں سے تھے۔ اُنہوں نے ۱۸۵۲ء سے آخر دم تک پنجاب اور کشمیر میں مشنری سرگرمیوں کو منظم کرنے اور انہیں ترقی دینے میں زندگی کے ۴۶ سال صرف کیے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: پادری برکت اللہ، صلیب کے علمبردار، حوالہ مذکورہ، ص ۹۱ - ۱۴۳

۵۔ پادری اے۔ ٹھاکر داس، خداوند مسیح کے نور تن، لاہور: پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی (۱۹۴۵ء)، ص ۱۰ - ۱۱

۶۔ ایل۔ بیون - جونز بحوالہ تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ ہند و پاکستان، لاہور: یونیورسٹی آف پنجاب (۱۹۷۲ء)، جلد ۴، ص ۵۹۴

۷۔ گارساں دتاسی، مقالات گارساں دتاسی، دہلی: انجمن ترقی اردو ہند (۱۹۴۳ء)، حصہ اوّل، ص ۷۹

۸۔ منشی محمد دین فوق، اخبار نویسوں کے حالات، لاہور: رفاہ عام پریس (۱۹۱۲ء)

۹۔ عبدالرزاق کانپوری، یادِ ایام، ص ۱۲۹

۱۰۔ رام چندر کے ساتھ دہلی کے ایک ہندو ڈاکٹر چمن لال نے بھی بپتسمہ لیا تھا۔ مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ اُن کی شنید کے مطابق اس واقعہ سے "دلّی کی مخلوق بہت بگڑی اور شہر میں بڑا غلغلہ پیدا ہوا" تھا۔ کالج کے طلبہ کی تعداد ۳۴۲ تھی مگر اس واقعہ کے ساتھ ہی بیس پچیس لڑکوں نے فوراً اپنے نام کٹوا لیے۔ دیکھیے: ڈاکٹر مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان (۱۹۶۲ء)، ص ۵۶

۱۱۔ بحوالہ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، دہلی: جدید پرنٹنگ پریس (س-ن)، جلد دوم، حصہ اوّل، ص ۳۰۴

۱۲۔ گارساں دتاسی، خطبات گارساں دتاسی، کراچی: انجمن ترقیٔ اردو پاکستان (۱۹۷۴ء)، حصّہ دوم، ص ۱۵۰-۱۵۱-

۱۳۔ مفتی محمد لدھیانوی، نصرۃ الابرار، لاہور: مطبع صحافی (س-ن)، ص ۴۶

۱۴۔ گارساں دتاسی، مقالات گارساں دتاسی، حوالہ مذکورہ، ص ۴۰۰-۴۰۱

۱۵۔ احوال و آثار کے لیے دیکھیے: انصار ناصری، میر ناصر علی: دبستانِ دلّی کا آخری معلّم، نقوش (لاہور)، جنوری ۱۹۵۵ء، ص ۸۴-۱۰۲، رحمت قطبی دہلوی، میر ناصر علی دہلوی، سہ ماہی بصائر (کراچی)، جنوری ۱۹۶۷ء، ص ۱۰۳-۱۱۹

مولانا سیّد سلیمان ندوی (م ۱۹۵۴ء) نے اُن کی رحلت پر تعزیتی شذرے میں لکھا تھا۔

"اُن کے قلم میں جو نزاکت اور اُن کی انشاء میں جو لطافت تھی، وہ اب بھی ہماری زبان کا سرمایہ ہے، مگر افسوس ہے کہ آخر میں وہ یہ ساری جگر کاوی اُن ناقدر شناس انگریز افسروں کے لیے کرتے تھے جو ہندوستانی زبان کو امتحان کے لیے سیکھتے تھے، اور اس لیے اُن کی یہ ادبی کوششیں عام نگاہوں سے چھپ کر رہ گئی تھیں---" [یادِ رفتگاں، کراچی: مکتبۃ الشرق (۱۹۵۵ء)، ص ۱۷۱]

انصار ناصری مرحوم نے اُن کی تحریروں کا انتخاب "مقامات ناصری" کے نام سے مرتّب کیا تھا جو انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی کی جانب سے شائع ہوگیا تھا۔

۱۶۔ محمد مظفر حسین گوپامئوی، تذکرہ روزِ روشن، بھوپال (۱۲۹۷ھ)، ص ۵۶۵